نواب مرتضیٰ خاں فرید بخاری

پروفیسر محمد اسلم پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

شیخ فرید بخاری کا شمار مغلیہ عہد کے اُن نامور امراء میں ہوتا ہے جنھوں نے اُس دور کے سیاسی، سماجی اور دینی حلقوں میں اپنی سیرت و کردار کے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

شیخ فرید کا نسبی تعلق مخدوم جہانیاں سید جلال الدین جہاں گشتؒ (م ۱۳۸۴ء) سے تھا[1] ان کے جدّ چہارم شیخ عبدالغفار دہلوی نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی کہ وہ مدد معاش ترک کر کے پیشۂ سپاہ گری اختیار کریں[2] ان کی وصیت کے مطابق ان کی اولاد نے فوج میں ملازمت اختیار کر لی اور کئی معرکوں میں اپنی شجاعت اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ اُن کے چچا سید محمد، حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی درگاہ کے مہتمم تھے۔ چتار کا قلعہ اُن ہی کی کوشش سے اکبر کے قبضہ میں آیا تھا۔ سید محمد اور شیخ فرید کے بھائی سید جعفر گجرات کی مہم میں کام آئے تھے۔

شیخ فرید اکبر کے عہد میں دہلی میں پیدا ہوئے[3] ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت کے بارے میں تاریخ اور تذکرے خاموش ہیں۔ صاحب مآثر الامراء کی روایت ہے کہ موصوف کمسنی

---

[1] کامگار حسینی، مآثر جہانگیری، مخطوطہ برٹش میوزیم لندن اورنٹیل ۱۷۱، ورق ۹۶ الف۔

[2] شاہنواز خاں، مآثر الامراء، (اردو) مطبوعہ لاہور ۱۹۶۹ء، ج ۲، ص ۶۳۴۔

[3] ہندو شاہ فرشتہ، تاریخ فرشتہ، مطبوعہ نولکشور کانپور ۱۸۸۴ء، ج ۱، ص ۲۲۸ — از شیخ زادہائے دہلی بود —

میں بھی اکبر کے دربار میں باریاب ہوئے[۵۴]۔ قدرشناس بادشاہ نے ان کے بزرگوں کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انھیں اپنی ملازمت میں لے لیا اور اپنے بیٹوں کی طرح تربیت کی[۵۵]۔ اکبر کو ان پر بڑا اعتماد تھا اور وہ اُن سے بڑے اہم کام لیا کرتا تھا۔

۹۸-۱۵۹۵ء میں مغلیہ سلطنت میں قحط رُونما ہوا تو اکبر نے ریلیف کا کام شیخ فرید کے سپرد کیا۔ موصوف نے کشمیر کی مہم میں نمایاں حصہ لیا اور جب مرزا یادگار نے علم بغاوت بلند کیا تو اس کے خلاف جو مہم بھیجی گئی اس کا ہراول دستہ شیخ فرید کی کمان میں تھا۔ دہلی میں قلعہ کے قریب ایک شاہی عمارت تھی جو سلیم گڈھ کے نام سے موسوم تھی، اکبر نے یہ عمارت شیخ فرید کو بخش دی تھی۔ اکبر نے کئی بار اس عمارت میں شیخ موصوف کے ہاں قیام کر کے انھیں میزبانی کا شرف بخشا تھا[۵۶]۔

جب اکبر کی والدہ حمیدہ بانو فوت ہوئی تو ماتم کی میعاد ختم ہونے سے پہلے دسہرہ کا تہوار آگیا۔ اکبر نے اپنی ہندو رعایا کی دلداری کے لیے شیخ فرید کو حکم دیا کہ وہ اُس کی طرف سے اعلان کر دیں کہ سوگ مقررہ میعاد سے پہلے ختم کیا جا رہا ہے تاکہ ہندو دسہرہ کا تہوار روایتی انداز میں منا سکیں[۵۷]۔

شیخ فرید بڑے اوصافِ حمیدہ کے مالک تھے۔ ان کا قد نکلا ہوا تھا اور وہ اپنی خوش بیانی کے لیے مشہور تھے۔ موصوف پختہ کاری، دانشمندی، مردانگی اور شجاعت میں اپنے ہمعصروں سے ممتاز تھے۔ اکبر نے انھیں اپنے تیسویں سال جلوس میں ہفت صدی منصب پر

---

۵۴ شاہنواز خاں، مآثر الامراء، ج ۲، ص ۶۳۴

۵۵ فیضی سرہندی، اکبر نامہ، مخطوطہ برٹش میوزیم لندن، اورینٹل ۱۶۹، ورق ۱۹۶ ب

۵۶ ایضاً، ورق ۲۴۳ ب۔

۵۷

فائز کیا اور دس سال بعد ان کی خدمات کے صلہ میں انھیں ہزار و پانصدی منصب پر ترقی دی[58] انہی ایام میں اکبر نے انھیں میر بخشی کے عہدہ پر متعین کیا۔ اس زمانے میں یہ عہدہ وزیر کے منصب کے برابر سمجھا جاتا تھا۔

شیخ نورالحق لکھتے ہیں کہ شیخ فرید واحد امیر تھے جنھیں دارالحکومت میں نوبت بجانے کی اجازت تھی[59] موصوف کہنے کو تو میر بخشی تھے لیکن حکومت کے متعدد محکموں میں ان کا حکم چلتا تھا۔ اکبر کو اُن پر بڑا بھروسہ تھا اور وہ اُن کی دیانت اور کارکردگی سے بڑا متاثر تھا، اس لیے اس کے حضور میں انھیں بڑا رسوخ حاصل تھا۔ جب اکبر نے علامی ابوالفضل کو دکن کے مسائل حل کرنے کے لیے روانہ کیا تو اس کی غیر حاضری میں شیخ فرید نے بڑی شائستہ خدمات انجام دیں۔ جب شہزادہ سلیم کے ایما پر بیر سنگھ بندیلہ نے علامی ابوالفضل کو قتل کیا تو اکبر کے کسی مصاحب میں یہ ہمت نہ تھی کہ وہ بادشاہ کو اس سانحہ کی اطلاع دیتا۔ اس موقع پر شیخ فرید نے بڑے احسن طریقے سے یہ خبر بادشاہ تک پہنچائی[60]

اکبر کے آخری دورِ حکومت میں اس کے بیشتر مصاحب مثلاً، ابوالفضل، فیضی، راجہ بیر بل، راجہ بھگوان داس، میر فتح اللہ شیرازی اور راجہ ٹوڈر مل فوت ہو گئے۔ یہی لوگ اکبر کی وسیع المشربی اور آزاد خیالی کے لیے ذمہ دار تھے۔ ان امراء کی وفات کے بعد شیخ فرید، نواب قلیچ خاں، خانِ اعظم مرزا عزیز کوکلتاش، عبدالرحیم خانخاناں اور میراں صدر جہاں جیسے متدین امراء آگے بڑھے اور انھوں نے اس خلا کو نہ صرف پر کیا بلکہ

---

۵۸ شاہنواز خاں، مآثر الامراء، ج ۲ ص ۶۳۴

۵۹ نورالحق، زبدۃ التواریخ، مخطوطہ برٹش میوزیم لندن، ایڈیشنل ۱۰۵۸۰، ورق ۲۴۷ الف

۶۰ اسد بیگ قزوینی، وقائع اسد بیگ، مخطوطہ برٹش میوزیم لندن، اورینٹل ۱۹۹۶، ورق ۶ ب۔

ان کے دم قدم سے دربار کا ماحول یکسر بدل گیا[11]

اکبر کے انچاسویں سال جلوس میں شیخ فرید کو چار ہزار ذات اور دو ہزار سوار کا منصب عطا ہوا[12] اس زمانے میں شیخ موصوف دربار میں سب سے زیادہ با اثر امیر تھے اور اکبر ان پر بڑا اعتماد کرتا تھا۔

اس عہد کے دینی حلقوں میں بھی شیخ فرید کا بڑا اثر در سوخ تھا۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ موصوف کو اللہ تعالیٰ نے ایک حساس قلب اور بیدار مغز عطا کیا تھا۔ علماء و مشائخ کو ان کے ساتھ گہری عقیدت تھی۔ وہ مذہبی شعار کو رواج دینے کے لیے بے چین رہتے تھے۔ اسی تگ و دو میں ان کا وقت صرف ہوتا۔ انھیں کوئی لگن تھی تو یہی، کوئی مصروفیت تھی تو یہی۔ اُن کے زمانے کے علماء و مشائخ نے اس جذبے کو سمجھ لیا تھا[13]

شیخ فرید کو خواجہ باقی باللہ دہلوی رح دم ۱۶۰۳ء) کے ساتھ بڑی عقیدت تھی اور ان کی خانقاہ کا تمام خرچ شیخ موصوف برداشت کرتے تھے[14] خواجہ صاحب کے مکتوبات میں شیخ فرید کے نام ایک مکتوب موجود ہے[15] اس مجموعۂ مکاتیب میں کئی خط ایسے ہیں جو کسی ــــ عالیشان امیر ــــ کے نام تحریر کیے گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان میں سے بعض مکاتیب شیخ فرید ہی کے نام تحریر کیے گئے ہوں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح (م ۱۶۴۲ء) کے بھی شیخ فرید کے ساتھ بڑے اچھے مراسم تھے۔ ان کے فرزند شیخ نورالحق کی شادی شیخ موصوف کے

---

[11] شیخ محمد اکرام، رود کوثر، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۹ء، ص ۱۳۹۔

[12] عنایت اللہ محب علی، تکملۂ اکبر نامہ، مخطوطہ برٹش میوزیم لندن، اورینٹل ۱۸۵۴، ورق ۴۲ ب

[13] خلیق احمد نظامی، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مطبوعہ دہلی ۱۹۵۳ء، ص ۲۳۲۔

[14] مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۷ء، ج ۱، مکتوب نمبر ۲۵، ۵۴۔

[15] خواجہ باقی باللہ، مکتوبات شریف، مطبوعہ اللہ والے لاہور، رقعہ نمبر ۲۳۔

فائز کیا اور دس سال بعد ان کی خدمات کے صلہ میں انھیں ہزار و پانصدی منصب پر ترقی دی[۵۸] انہی ایام میں اکبر نے انھیں میر بخشی کے عہدہ پر متعین کیا۔ اس زمانے میں یہ عہدہ وزیر کے منصب کے برابر سمجھا جاتا تھا۔

شیخ نورالحق لکھتے ہیں کہ شیخ فرید واحد امیر تھے جنھیں دارالحکومت میں نوبت بجانے کی اجازت تھی[۵۹] موصوف کہنے کو تو میر بخشی تھے لیکن حکومت کے متعدد محکموں میں ان کا حکم چلتا تھا۔ اکبر کو اُن پر بڑا بھروسہ تھا اور وہ اُن کی دیانت اور کارکردگی سے بڑا متاثر تھا، اس لیے اس کے حضور میں انھیں بڑا رسوخ حاصل تھا۔ جب اکبر نے علامی ابوالفضل کو دکن کے مسائل حل کرنے کے لیے روانہ کیا تو اس کی غیر حاضری میں شیخ فرید نے بڑی شائستہ خدمات انجام دیں۔ جب شہزادہ سلیم کے ایما پر بیر سنگھ بندیلہ نے علامی ابوالفضل کو قتل کیا تو اکبر کے کسی مصاحب میں یہ ہمت نہ تھی کہ وہ بادشاہ کو اس سانحہ کی اطلاع دیتا۔ اس موقع پر شیخ فرید نے بڑے احسن طریقے سے یہ خبر بادشاہ تک پہنچائی[۶۰]

اکبر کے آخری دورِ حکومت میں اس کے بیشتر مصاحب مثلاً، ابوالفضل، فیضی، راجہ بیربل، راجہ بھگوان داس، میر فتح اللہ شیرازی اور راجہ ٹوڈرمل فوت ہو گئے۔ یہی لوگ اکبر کی وسیع المشربی اور آزاد خیالی کے لیے ذمہ دار تھے۔ ان امراء کی وفات کے بعد شیخ فرید، نواب قلیچ خاں، خانِ اعظم مرزا عزیز کوکلتاش، عبدالرحیم خانخاناں اور میراں صدر جہاں جیسے متدیّن امراء آگے بڑھے اور انھوں نے اس خلا کو نہ صرف یہ کہ پُر کیا بلکہ

---

۵۸ شاہنواز خاں، مآثر الامراء، ج ۲ ص ۶۳۴

۵۹ نورالحق، زبدۃ التواریخ، مخطوطہ برٹش میوزیم لندن، ایڈیشنل ۱۰۵۸۰، ورق ۲۴۷ الف

۶۰ اسد بیگ قزوینی، وقائع اسد بیگ، مخطوطہ برٹش میوزیم لندن، اورینٹل ۱۹۹۶، ورق ۶ ب۔

ان کے دم قدم سے دربار کا ماحول یکسر بدل گیا[11]

اکبر کے انچاسویں سال جلوس میں شیخ فرید کو چار ہزار ذات اور دو ہزار سوار کا منصب عطا ہوا[12] اس زمانے میں شیخ موصوف دربار میں سب سے زیادہ بااثر امیر تھے اور اکبر ان پر بڑا اعتماد کرتا تھا۔

اس عہد کے دینی حلقوں میں بھی شیخ فرید کا بڑا اثر درسوخ تھا۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ موصوف کو اللہ تعالیٰ نے ایک حساس قلب اور مبدا فیض سے عطا کیا تھا۔ علماء و مشائخ کو ان کے ساتھ گہری عقیدت تھی۔ وہ مذہبی شعار کو رواج دینے کے لیے بے چین رہتے تھے۔ اسی تگ و دو میں ان کا وقت صرف ہوتا۔ انھیں کوئی لگن تھی تو یہی، کوئی مصروفیت تھی تو یہی۔ اُن کے زمانے کے علماء و مشائخ نے اس جذبے کو سمجھ لیا تھا[13]

شیخ فرید کو خواجہ باقی باللہ دہلوی رح (م ۱۶۰۳ء) کے ساتھ بڑی عقیدت تھی اور ان کی خانقاہ کا تمام خرچ شیخ موصوف برداشت کرتے تھے[14] خواجہ صاحب کے مکتوبات میں شیخ فرید کے نام ایک مکتوب موجود ہے[15] اس مجموعۂ مکاتیب میں کئی خط ایسے ہیں جو کسی — عالیشان امیر — کے نام تحریر کیے گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان میں سے بعض مکاتیب شیخ فرید ہی کے نام تحریر کیے گئے ہوں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح (م ۱۶۴۲ء) کے بھی شیخ فرید کے ساتھ بڑے اچھے مراسم تھے۔ ان کے فرزند شیخ نورالحق کی شادی شیخ موصوف کے

[11] شیخ محمد اکرام، رودِ کوثر، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۹ء، ص ۱۳۹۔

[12] عنایت اللہ محب علی، تکملہ اکبرنامہ، مخطوطہ برٹش میوزیم لندن، اورینٹل ۱۸۵۴، ورق ۴۲ ب

[13] خلیق احمد نظامی، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مطبوعہ دہلی ۱۹۵۳ء، ص ۲۳۲۔

[14] مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۷ء، ۱ مکتوب نمبر ۵۴، ۴۳، ۵۴۔

[15] خواجہ باقی باللہ، مکتوبات شریف، مطبوعہ اللہ والے لاہور، رقعہ نمبر ۲۳۔

خاندان میں ہوئی تھی[16] ان کے مجموعۂ مکاتیب میں بھی ان کے نام کئی خط موجود ہیں[17]۔ ان خطوط سے جہاں ان دونوں بزرگوں کے باہمی تعلقات پر روشنی پڑتی ہے، وہیں اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ عبدالحق رح انھیں ترویج شریعت پر آمادہ کرتے رہتے تھے۔

خواجہ باقی باللہ دہلوی رح کی وفات کے بعد ان کے جانشین حضرت مجدد الف ثانی رح (م ۱۶۲۴ء) نے شیخ فرید کے ساتھ تعلقات استوار کر لیے اور ان کے ساتھ باقاعدہ خط وکتابت شروع کر دی۔ حضرت مجدد الف ثانی رح انھیں بار بار شریعت پر عمل کرنے اور جہانگیر کو نفاذ شریعت پر آمادہ کرنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ ایک خط میں حضرت مجدد رح انھیں یاد دلاتے ہیں کہ اس پرفتن دور میں تھوڑے عمل کا بہت زیادہ اجر ملے گا۔ شیخ فرید نے جہانگیر کی تخت نشینی میں نمایاں کردار ادا کیا تھا اس لیے جہانگیر ان کا ممنون تھا۔ حضرت مجدد رح شیخ فرید کے توسط سے بادشاہ تک اپنی بات پہنچانا چاہتے تھے۔ حضرت مجدد رح نے اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے کہ برعظیم میں نقشبندیہ سلسلہ کی ترویج میں شیخ موصوف کا بڑا ہاتھ ہے[18]۔

اکبر کے آخری ایام حیات میں شہزادہ سلیم نے اس کے خلاف بغاوت کر دی اور الٰہ آباد میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اس موقع پر اکبر کی ایک بیوی سلیمہ سلطان بیگم نے بڑی دانشمندی کا ثبوت دیا۔ وہ الٰہ آباد جا کر سلیم سے ملی اور اسے سمجھا بجھا کر اپنے ساتھ آگرہ لے آئی[19] شاہ نواز خاں لکھتا ہے کہ جب سلیم آگرہ آیا تو ہنوز اس کا دماغ شورش سے خالی

---

[16] شیخ محمد اکرام، رود کوثر، ص ۱۷۴۔

[17] عبدالحق محدث، المکاتیب والرسائل، مطبوعہ دہلی ۱۳۳۲ھ، مکاتیب ۱۳-۱۶-۱۷-۲۱-۲۵-۲۶-۲۷-۲۸-۲۹-۳۳۔

[18] مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء، دفتر اول، مکتوب نمبر ۴۵، ۱۵۲۔

[19] SMITH, V.A; AKBAR THE GREAT MOGUL, OXFORD: 1926, P 310-

نہ تھا۔[۲۰] اکبر نے اس کے رخسار پر چپت رسید کیا اور اسے چند روز کے لیے نظر بند کر دیا۔
انہی ایام میں اکبر بیمار ہو گیا۔ سلیم کے باغیانہ رویہ سے اس کے مخالفین کو بڑی شہ ملی۔ ان دنوں سلیم کے فرزند خسرو کو اکبر کا قرب حاصل تھا۔ اس کے ماموں راجہ مان سنگھ اور خسر خانِ اعظم مرزا عزیز کوکلتاش نے سلیم کی بجائے خسرو کو تخت پر بٹھانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ان ایام میں قلعہ کے اندر خسرو اور اس کے طرفداروں کا عمل دخل تھا اور سلیم کی زندگی خطرہ میں تھی۔[۲۱] اکبر کے ایماء پر سلیم نے شیخ فرید کے گھر میں پناہ لی۔ اس موقع پر بعض نادان دوستوں نے اسے یہ مشورہ دیا کہ وہ دار الحکومت سے کسی محفوظ جگہ پر چلا جائے لیکن شیخ فرید کے ایک معتمد رکن الدین روہیلہ نے اسے ایسا کرنے سے روکا۔[۲۲] جب شیخ فرید کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو انھوں نے سلیم کو تسلی دی اور اس کا حوصلہ بڑھایا۔

جب اکبر کی زندگی سے مایوسی ہوئی تو امرائے سلطنت اس کی جانشینی کا مسئلہ حل کرنے کے لیے جمع ہوئے۔ خانِ اعظم اور راجہ مان سنگھ نے شہزادہ خسرو کا نام تجویز کیا لیکن سعید خاں اور قلیچ خاں نے اس تجویز کی مخالفت کی اور اس میٹنگ سے واک آؤٹ کر گئے۔ شیخ فرید بھی میٹنگ سے اٹھ کر سیدھے اپنے گھر پہنچے اور اپنے بھائی بندوں سادات بارہہ کو بلا بھیجا۔[۲۳]

اتفاق سے ان دنوں قلعہ کا ایک دروازہ، جو دریا کے رخ پر تھا اور خضری دروازہ کے نام سے موسوم تھا، شیخ فرید کے سپاہیوں کی تحویل میں تھا۔ شیخ موصوف اسی دروازے

---

[۲۰] شاہنواز خاں، مآثر الامراء، (اردو) مطبوعہ لاہور ۱۹۶۹ء، ج ۲، ص ۶۳۶۔

[۲۱] محمد شفیع وارد، مرآت واردات، مخطوطہ برٹش میوزیم، اورینٹل ۶۵۷۹، ورق ۵۳ ب۔

[۲۲] اسد بیگ قزوینی، وقائع اسد بیگ، ورق ۲۹ ب۔

[۲۳] ایضاً، ورق ۲۹ ب۔

سے سلیم کو لے کر قلعہ میں داخل ہوئے اور اُسے تخت پر بٹھا دیا۔ شیخ فرید اور دوسرے امراء نے اُسے مبارکباد دی اور نذریں گزاریں۔[۲۴] اس موقع پر تمام حاضرین نے شیخ فرید کے انتخاب کی داد دی۔ اس مبارک موقع پر سلیم نے شیخ موصوف کو ــــ صاحب السیف والقلم ــــ کا خطاب دیا اور پنج ہزاری منصب عطا کیا۔[۲۵] شیخ فرید نے سلیم کی تخت نشینی کی خوشی میں شادیانے بجانے کا حکم دیا۔ اکبر ہنوز زندہ تھا، اس لیے سلیم نے شادیانے بجانے سے روک دیا۔

تخت نشینی کی تقریب اختتام پذیر ہوئی تو شیخ فرید اور اُن کے ساتھیوں نے سلیم کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے والد سے مل لے۔ اکبر نے اس موقع پر ہمایوں کی تلوار اس کی کمر سے باندھنے کا اشارہ کیا اور اپنی دستار اُس کے سر پر رکھ دی۔ یہ ایک طرح سے سلیم کی باقاعدہ جانشینی کا اعلان تھا۔ اکبر سے مل کر سلیم واپس شیخ فرید کی رہائش گاہ پر آگیا اور اس کی وفات کا انتظار کرنے لگا۔ اکبر کی وفات پر اس کے معالج حکیم علی نے بھی متوقع انتقام سے بچنے کے لیے شیخ فرید کے گھر میں پناہ لی۔[۲۶] اس سے شیخ صاحب کے اثر و رسوخ کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اکبر کی وفات پر سلیم نے اس کے جنازہ میں شرکت کی اور چند قدم تک میت کو کندھا بھی دیا۔[۲۷] وہ اس وقت دیندار امراء کے زیر اثر تھا، اس لیے اس موقع پر کوئی خلاف شریعت

---

[۲۴] محمد شفیع وارد، مرآت واردات، ورق ۴۳ الف۔

[۲۵] جہانگیر، تزک جہانگیری، سر سید ایڈیشن مطبوعہ ۱۸۶۴ء ص ۹۔
ــــ شیخ فرید بخاری را کہ چہار ہزاری بود، پنجہزاری کردم ــــ

[۲۶] شیخ محمد اکرام، رود کوثر، ص ۱۸۳۔

[۲۷] نور الحق زبدۃ التواریخ، ورق ۲۴۹ ب۔

کام نہیں ہوا۔ یاد رہے کہ جب اکبر کی والدہ حمیدہ بانو فوت ہوئی تو اکبر نے ہندوؤں کی طرح بھدرا کروایا تھا۔[۲۸] جب اس کی رضاعی ماں ماہم انگہ مری تو اس وقت بھی اکبر نے ہندوؤں کی اس رسم پر عمل کیا۔ شیخ مبارک کی وفات پر ابوالفضل اور مفسر قرآن فیضی نے بھی ہندوؤں کے دستور کے مطابق اپنے سر منڈوا ڈالے تھے[۲۹] جب بدایونی نے ان کی حرکتوں پر اعتراض کیا تو محمد حسین آزاد نے ان کی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا "اس میں دین و مذہب کا کیا علاقہ۔ ملا صاحب خواہ مخواہ خفا ہو گئے"[۳۰] بہرحال سلیم نے اکبر کی وفات پر ایسی کوئی نازیبا حرکت نہیں کی۔

جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد بظاہر خسرو کا رویہ درست ہو گیا تھا اور راجہ مان سنگھ نے اسے جہانگیر کے قدموں میں ڈال کر معافی دلوا دی تھی[۳۱] لیکن موقع پاتے ہی وہ ہر اپریل ۱۶۰۶ء کو رات کے وقت لوٹ مار کرتا ہوا لاہور کی طرف فرار ہو گیا اور وہاں پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ جہانگیر کو جونہی خسرو کے فرار کی اطلاع ملی تو اس نے فوراً شیخ فرید کو اس کے تعاقب میں بھیجا اور خود بھی ان کے پیچھے پیچھے پنجاب کی جانب روانہ ہوا۔

ادھر خسرو کو جب یہ اطلاع ملی کہ شیخ موصوف اپنی فوج کے ساتھ سلطان پور لودھی پہنچ گئے ہیں تو اس نے لاہور کا محاصرہ اٹھا لیا۔[۳۲] اور کابل جانے کے ارادے سے گجرات کی طرف کوچ کیا۔ شیخ فرید نے خسرو کو دریائے چناب کے کنارے بھیروں وال کے مقام پر

---

۲۸ ابوالفضل، اکبرنامہ، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۷۹ء، ج ۳، ص ۶۳۱

۲۹ عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۵ء، ج ۲، ص ۳۸۸۔

۳۰ محمد حسین آزاد، دربار اکبری، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۷ء، ص ۹۸۔

۳۱ اسد بیگ قزوینی، وقائع اسد بیگ، ورق ۳۰ الف

۳۲ شاہنواز خاں، مآثر الامراء، ج ۲، ص ۶۳۷۔

جا لیا۔ وہاں فریقین میں بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں سادات بارہہ و بخاری کی ایک بڑی تعداد داد شجاعت دیتی ہوئی کام آئی لیکن ان کی قربانیاں رنگ لائیں اور خسرو شکست کھا کر گرفتار ہوا۔

اسی اثنا میں جہانگیر بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے شیخ فرید کی خدمت کو بڑا سراہا اور فرطِ محبت سے ان کے ساتھ بغلگیر ہوا۔ بادشاہ نے شیخ موصوف کے خیمے میں رات گذار کر ان کی عزت افزائی کی[۳۳]۔ بادشاہ نے بھیروں وال کا گاؤں شیخ فرید کو بطور انعام عطا کیا اور ان کی درخواست پر اس کا نام فتح آباد رکھا[۳۴]۔ اس موقع پر جہانگیر نے انھیں مرتضیٰ خاں کا خطاب عطا کیا اور گجرات (کاٹھیا واڑ) کی صوبیداری پر سرفراز کیا۔ شیخ صاحب نے احمد آباد جا کر بیس ہزار افراد فوج میں بھرتی کیے اور گجرات کے نظم و نسق کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی۔ ان کے حسن انتظام کی وجہ سے اس علاقے میں امن و امان قائم ہو گیا[۳۵]۔

گجرات میں پہلے ہی سے بخاری سادات کا بڑا اثر و رسوخ تھا۔ احمد آباد میں حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین جہانگشت کے پوتے حضرت قطب العالم (م ۸۵۷ھ/۱۴۵۳ء) اور ان کے پڑپوتے حضرت شاہ عالم (م ۸۸۰ھ/۱۴۷۵ء) کے مزارات مرجع خلائق تھے۔ شیخ فرید نے وہاں "بخارا" کے نام سے ایک محلہ کی بنیاد رکھی اور اپنے بھائی بندوں کو وہاں آباد

---

[۳۳] معتمد خاں، اقبالنامہ جہانگیری، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۵ء، ص ۱۳۔
— آنحضرت از اسپ فرود آمدہ شیخ را در آغوش ملاطفت گرفتہ، عنایتی و مرحمتی کہ ہرگز در مخیلۂ او تمکنا نشستہ بود ظاہر ساختند و شب در خیمۂ شیخ گذرانیدہ —

[۳۴] شاہنواز خاں، مآثر الامراء، ج ۲، ص ۲۳۸۔ [۳۵] اسمٰعیل بن شاہ عالم عبدالعزیز، معارج الکمال، مخطوطہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، فارسی ۲۰۷۵، ورق ۱۳۲ ب

کیا۔ شیخ وجیہہ الدین علوی شطاریؒ (م ۱۵۸۹ء) کا روضہ اور اس سے ملحقہ مسجد بھی انھوں نے اسی زمانے میں تعمیر کی۔ شیخ وجیہہ الدینؒ کے مزار پر شیخ زید نے جو چپرکھٹ بنوایا اس پر سیپ کا نہایت اعلیٰ درجے کا کام ہوا ہے[۳۷] فنی اعتبار سے شیخ موصوف کا روضہ بڑا خوبصورت ہے اور خاص طور پر اس کی جالیاں دیکھنے کے لائق ہیں[۳۷]۔

شیخ زید خود بڑی اچھی صفات کے حامل تھے لیکن ان کے بھائی بندوں نے گجرات میں دھاندلی مچادی۔ لوگوں نے تنگ آکر بادشاہ کو شکایتی خطوط بھیجے۔ جہانگیر نے اپنے پانچویں سال جلوس (۱۶۱۰ء) میں شیخ زید کو گجرات سے طلب کر کے پنجاب کا گورنر مقرر کیا۔ لاہور آنے کے بعد انھوں نے شہر کے اندر ایک بازار، حمام کلاں اور چوک تعمیر کروائے[۳۸] لاہوری دروازے کے اندر آج بھی "بخاری چوک" موجود ہے، جو ان کی طرف منسوب ہے۔

شیخ زید نے اپنے گھر کے قریب ایک مسجد بھی بنوائی تھی۔ اس مسجد کی تعمیر پر حضرت مجدد الف ثانیؒ نے انھیں مبارک باد ارسال کی تھی[۳۹] مشہور سیاح ولیم فنچ نے بھی اس مسجد کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اپنے سفرنامہ میں کیا ہے[۴۰] دارا شکوہ کی روایت ہے کہ انھوں نے لاہور میں (موجودہ پنجاب پبلک لائبریری کی جگہ) ایک باغ لگوایا تھا، جو عہد شاہجہاں میں وزیر خاں کی طرف منسوب ہو گیا تھا[۴۱]

---

۳۶ محمد اسلم، ملفوظات شیخ وجیہہ الدین گجراتی، مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۸۰ء، ص ۳۱۔

۳۷ GAZETTEER OF BOMBAY PRESIDENCY, BOMBAY: 1879. VOL IX, P 278.

۳۸ شاہنواز خاں، مآثر الامراء، ج ۲، ص ۶۴۰

۳۹ مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، ج اول، مکتوب ۱۹۳۔

۴۰ Foster, W, Early Travels in India, Oxford: 1921, P. 166.

۴۱ دارا شکوہ، سکینۃ الاولیاء، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۱۵۲۔

لاہور میں قیام کے دوران میں شیخ فرید کے منصب میں مزید اضافہ ہوا۔ جہانگیر نے انھیں شش ہزاری ذات اور پنج ہزاری سوار کا منصب عطا کیا[۴۲] اس زمانے میں ان کی ماہانہ آمدنی پچاس ہزار روپے تھی[۴۳]

۱۶۱۶ء میں جہانگیر نے انھیں کانگڑہ کی مہم سونپی۔ اس مہم کے دوران میں شیخ فرید نے پٹھان کوٹ کے مقام پر وفات پائی اور ان کی وصیت کے مطابق ان کی میت دہلی لیجا کر ان کے خاندانی قبرستان میں دفن کی گئی[۴۴]

شیخ فرید کے اخلاق و اطوار کی اس عہد کے تمام مورخوں اور تذکرہ نگاروں نے بڑی تعریف کی ہے۔ ان کی داد و دہش سے کئی خانقاہوں اور مزاروں کی رونق قائم تھی۔ گجرات میں قیام کے دوران میں انھوں نے شیخ وجیہہ الدین شطاری کا مقبرہ اور اس سے ملحق ایک مسجد بنوائی تھی۔ دہلی میں سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کے مزار پر صندل کی ایک چھپر کھٹ نصب کی جس پر سیپ کا بہترین کام کروایا[۴۵] احمد آباد، لاہور اور فرید آباد میں ان کی یادگاریں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے کئی جگہوں پر مسافروں کے آرام کے لیے سرائیں اور مسافر خانے تعمیر کروائے۔

فیضی سرہندی انھیں ـــ مصدر سنن سنیہ و فروغ دیدۂ ملت بیضا ـــ اور ـــ مظہر اخلاق مرضیہ ـــ کے القابات سے یاد کرتا ہے[۴۶] کامگار حسینی ان کے بارے میں لکھتا ہے،

---

۴۲ جہانگیر، تزک جہانگیری، ص ۱۵۹۔

۴۳ Payne, Jahangir And Jesuits, London: 1930. P37

۴۴ شیخ فرید بھکری، ذخیرۃ الخوانین، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء، ج ۱، ص ۱۴۸

۴۵ شیخ محمد اکرام۔ رود کوثر، ص ۱۸۵۔

۴۶ فیضی سرہندی، اکبرنامہ، ورق ۵ الف۔

"دولت شجاعت را با سخاوت فراہم آوردہ خیر بالذات بود[۴۷]" اقبالنامہ جہانگیری کے مصنف معتمد خاں نے انھیں ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے "ظاہر و باطنِ شیخ بغایت آراستہ و سنجیدہ بود۔ بزرگی از و قدر و شرف داشت، نہ او از بزرگی و دولت[۴۸]" شاہنواز خاں نے بھی ان کا ظاہر و باطن آراستہ ہونے کی گواہی دی ہے[۴۹] شیخ فرید کے نام مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات کا ایک ایک لفظ ان کی نجابت اور شرافت پر دال ہے۔

شاہنواز خاں شیخ موصوف کے بارے میں رقمطراز ہے کہ وہ اپنے ہمعصروں میں اپنی شجاعت اور سخاوت کے لیے ممتاز تھے۔ ان کی داد و دہش عام تھی اور ان کا دروازہ ہر حاجتمند کے لیے کھلا رہتا تھا۔ ان کے دَر سے کوئی سائل خالی ہاتھ نہ جاتا تھا۔ جب وہ دربار جانے کے لیے گھر سے روانہ ہوتے تو اپنے ساتھ بہت سی قبائیں، کمبل، چادریں، جوتے اور اشرفیاں لے جاتے اور راستے میں حاجتمندوں میں تقسیم کر دیتے[۵۰]

گجرات میں قیام کے دوران میں انھوں نے سادات کے بچوں کی ایک فہرست تیار کروا لی تھی اور ان کے بیاہ شادی کے اخراجات برداشت کرتے تھے۔ ان کی سرکار سے خانقاہ نشینوں، ضرورت مندوں، بیواؤں اور یتیموں کے وظائف مقرر تھے۔ وہ اپنے دوستوں پر سالانہ ایک لاکھ روپے صرف کرتے تھے۔ ان کے ملازمین میں سے اگر کوئی ملازم دورانِ ملازمت فوت ہو جاتا تو موصوف اس کے بچوں کو اپنی کفالت میں لے لیتے اور لائق و فائق اساتذہ سے انھیں تعلیم دلواتے۔ وہ بچے شیخ فرید کی گود میں کھیلا کرتے تھے۔

---

۴۷ کامکار حسینی، مآثر جہانگیری، ورق ۲۶ الف، ۲۶ ب۔

۴۸ معتمد خاں، اقبالنامہ جہانگیری، ص ۱۴۔

۴۹ شاہنواز خاں، مآثر الامراء، ج ۲، ص ۶۳۸۔

۵۰ ایضاً، ص ۶۳۹۔

۵۱ اسمٰعیل بن شاہ عالم عبدالعزیز، معارج الکمال، ص ۱۴۹ ب۔

زید بھکری صاحبِ ذخیرۃ الخوانین اُن کے بارے میں لکھتا ہے کہ اُن کے مناقب کہاں تک بیان کیے جائیں۔ زبان اُن کی مدح سرائی سے عاجز اور قلم اُن کے محاسن بیان کرنے سے قاصر ہے۔ یوں سمجھیے کہ دنیا کی ہر اچھی عادت ان میں پائی جاتی تھی۔ وہ اپنی جاگیر میں ضرورت مندوں اور آئمہ کو مدد معاش کے طور پر آراضی دے دیا کرتے تھے۔ ایک موضع میں ان کے پاس دے دلا کر صرف ساٹھ بیگھے آراضی رہ گئی تھی۔ وہاں کے شقدار نے انھیں لکھا کہ ان ساٹھ بیگھے میں سے اُسے کیا ملے گا؟ شیخ زید نے اسے "ہندوی" زبان میں یہ جواب دیا:

آگ لگنتی جھونپڑہ جو نکلے سو لابھ[۵۲]

یعنی جلتے ہوئے جھونپڑے سے جو چیز باہر نکال لو، وہی نفع ہے۔ انھوں نے متعدد مقامات پر مساجد تعمیر کروائیں اور اُن کے ساتھ دکانیں بنوائیں تاکہ ان کے کرایہ سے آئمہ اور مؤذنوں کو تنخواہ ملتی رہے۔

زید بھکری اُن کے بارے میں لکھتا ہے کہ سادات بخاری، بارہہ اور بھکری میں اُن جیسا سیّد نہ کبھی پہلے ہوا ہے، نہ اب ہے اور نہ آئندہ ہوگا۔[۵۳] اُن کی زبان سے کسی نے کبھی کوئی درشت کلمہ نہیں سنا۔

اتنی مدح سرائی کے بعد صاحبِ ذخیرۃ الخوانین اُن کے بارے میں لکھتا ہے کہ وہ شدید العداوت تھے اور انتقام لینا نہ بھولتے تھے۔ وہ اپنی رعایا کے حق میں اچھے نہ تھے

---

۵۲ شیخ زید بھکری، ذخیرۃ الخوانین، ج ۱، ص ۱۳۹۔
سیّد حیدر بخش حیدری نے اسے — آگ لگتے جھونپڑا جو نکلے سو لاؤ — پڑھا ہے، جو میرے خیال میں صحیح نہیں۔ ملاحظہ ہو: عبادت بریلوی، مختصر کہانیاں، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء، ص ۲۲۳۔
۵۳ ایضاً، ص ۱۲۶۔

اور کھانے سے قبل شراب کو اشتہا انگیز سمجھ کر استعمال کیا کرتے تھے اور اسے گناہ نہ سمجھتے تھے۔[۵۲]

شیخ فرید بھکری کے یہ ریمارکس صحیح معلوم نہیں ہوتے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ذخیرۃ الخوانین میں کسی جعل ساز نے ان الفاظ کا اضافہ کر دیا ہے۔ جو شخص اپنی جاگیر حاجتمندوں میں تقسیم کر دے۔ ہزاروں روپے روزانہ ضرورتمندوں میں لٹا دے۔ مرتے وقت جس کی تجوری خالی ہو۔ جو اپنے ملازموں کے یتیم بچوں کو اپنے بچے سمجھ کر پالے پوسے اور جسے حضرت مجدد الف ثانیؒ، "جرگۂ ممدانِ دولتِ اسلام" کا سرخیل کہیں، اس کے بارے میں یہ گمان رکھنا کہ وہ اپنی رعایا کے حق میں اچھا نہ تھا، بڑی زیادتی ہے۔ خواجہ باقی باللہؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شیخ عبدالحق محدثؒ کے صحبت یافتہ شخص کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ .APPETIZER کے طور پر شراب پیا کرتا تھا اور اسے گناہ نہ سمجھتا تھا، صریحاً کذب بیانی ہے۔

شیخ فرید کا دستر خوان بڑا وسیع تھا۔ پانصد افراد ان کے دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا تناول کرتے اور اتنے ہی لوگوں کے گھروں پر کھانا بھجوایا جاتا تھا۔ موصوف نے اپنا تمام اثاثہ حاجتمندوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ جب وہ فوت ہوئے تو ان کے گھر سے صرف ایک ہزار اشرفیاں نکلیں۔ اس عہد کے کسی شاعر نے "داد، خورد، بُرد" سے ان کی تاریخ وفات نکالی تھی۔[۵۳]

شاہنواز خاں، شیخ فرید کے اوصافِ حمیدہ بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے: "سبحان اللہ اگرچہ وہی دن اور وہی راتیں ہیں۔ ستاروں اور آسمان کی گردش بھی وہی ہے لیکن اس

---

۵۲ ایضاً، ص ۱۴۶۔

۵۳ شاہنواز خاں، مآثر الامراء، ج ۲، ص ۶۳۸۔

زمانے میں یہ ملک ایسے آدمیوں سے خالی ہے۔ شاید کسی دوسرے ملک کے حصے میں وہ لوگ چلے گئے ہیں[۶]

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور (پٹنہ) میں معارج الکمال کے عنوان سے ایک نادر مخطوطہ محفوظ ہے[۷] اس کا مصنف اسمٰعیل بن شاہ عالم عبدالعزیز رقمطراز ہے کہ اس نے یہ تصنیف نواب مرتضیٰ خاں فرید بخشی کے لیے لکھی ہے۔ اس تصنیف کے آخر میں اس نے ــــ دربیان مجملی از احوال کرامت منوال نواب قبلہ گاہی مدظلہ العالی علی مفارق الادانی ــــ کے عنوان سے ایک باب باندھا ہے جس میں نواب فرید بخاری کے حالات و مناقب بیان کیے ہیں۔

ان معمولات کے ضمن میں اسمٰعیل رقمطراز ہے کہ نواب موصوف رات کے پچھلے پہر بیدار ہوکر تہجد کے نوافل ادا کرتے ہیں اور اس کے بعد دیر تک ادعیہ ماثورہ پڑھتے رہتے ہیں۔ ان کے یہ معمولات ترویج دین کا باعث بن رہے ہیں۔ الناس علیٰ دینِ ملوکھم کے مصداق ان کے متعلقین میں سے ہزاروں افراد تہجد گزار بن گئے ہیں۔

اذانِ فجر کے بعد نواب صاحب سنتیں ادا کرتے ہیں اور پھر جماعت کے ساتھ نماز فجر ادا کرتے ہیں۔ سنتوں اور فرضوں کے درمیان موصوف ورد جاری رکھتے ہیں اور طلوع آفتاب تک مصلّے پر بیٹھے رہتے ہیں۔ اوراد سے فارغ ہوکر موصوف سرکاری کام شروع کرتے ہیں اور اسی دوران میں ضرورتمندوں سے ملتے اور ان کی باتیں کمال اہتمام سے سنتے ہیں۔ وہ آج کا کام کل کے لیے چھوڑنے کے عادی نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں وہ تنہا میں نہیں بیٹھتے تاکہ لوگ ملاقات سے محروم نہ رہیں[۸]

---

[۶] ایضاً، ص ۶۴۱

[۷] اسمٰعیل بن شاہ عالم عبدالعزیز، معارج الکمال، مخطوطہ فارسی نمبر ۲۰۷

سرکاری کاموں سے انجام دہی کے بعد نواب صاحب زنان خانے میں تشریف لے جاتے ہیں۔ جب کھانے کا وقت ہوتا ہے تو پہلے یتیموں اور بچوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ اس کے بعد خود اپنے احباب کے ساتھ کھانا تناول کرتے ہیں۔ اسمٰعیل کا بیان ہے کہ تقریباً دو صد پچاس یتامیٰ ان کے زیر کفالت ہیں اور ان میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ نواب صاحب بچوں کی دلجوئی کے لیے ان کے ساتھ گنجفہ بھی کھیل لیتے ہیں اور بچوں کو ہر حال میں خوش رکھنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ اور بچے بھی ان کے ساتھ بڑے مانوس ہیں۔ یتامیٰ کی ماؤں کو نواب صاحب کی سرکار سے وظائف ملتے ہیں۔ جب کوئی بچہ سن بلوغ کو پہنچتا ہے تو اپنے خرچ پر اس کی شادی کر دیتے ہیں۔ موصوف سال میں چار بار ان بچوں میں کپڑے تقسیم کرتے ہیں۔

دوپہر کے وقت سنّت کے مطابق قیلولہ کرنا نواب فرید بخاری کا معمول ہے۔ وہ نماز ظہر کے بعد دوبارہ دربار لگاتے ہیں اور حقوق العباد کی ادائیگی میں کوشاں رہتے ہیں۔ یہ سلسلہ نماز عصر تک جاری رہتا ہے۔ موصوف پانچوں نمازیں با جماعت ادا کرتے ہیں۔

اسمٰعیل رقمطراز ہے کہ نواب موصوف سونے سے پہلے باقاعدہ مطالعہ کرتے ہیں۔ عام طور پر تصوف اور اخلاق کے موضوع پر کتابیں ان کے زیر مطالعہ رہتی ہیں۔ علاوہ ازیں مثنوی معنوی اور کیمیائے سعادت بھی وہ بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ ان کے ایک ہمعصر عالم (زین الدین شیرازی) نے ۱۰۱۰ھ میں تفسیر مرتضوی کے عنوان سے ایک تفسیر لکھ کر ان کے نام معنون کی تھی۔ یہ تفسیر بھی اکثر ان کے زیر مطالعہ رہتی ہے۔[59]

پورے ملک میں ان کے جود و سخا کا شہرہ ہے۔ دہلی، لاہور، سنبھل اور بجنور کے

---

[58] ایضاً، ورق ۱۳۰ الف۔

[59] ایضاً، ۱۳۱ الف

لوگ بڑی تعداد میں ان سے وظائف لے رہے ہیں۔ گجرات فتنوں کی سرزمین تھی، ان کے حسن انتظام کی وجہ سے وہاں کے حالات درست ہوئے۔ ان کی مذہبی رواداری کا یہ عالم ہے کہ ان کے زمانۂ قیام احمد آباد میں ایک بار دیوالی کا تہوار آگیا۔ اس دن اتفاق سے رجب کی ۲۸ تاریخ تھی۔ ان کے ملازمین میں ہندو بھی کافی تعداد میں تھے۔ شیخ صاحب نے حکم دیا کہ اس موقع پر قلعہ پر چراغاں کیا جائے[۶۰]

اسمٰعیل شاعر بھی تھا۔ اس نے نواب موصوف کی مدح میں ایک طویل قصیدہ لکھا ہے۔ اس کے علاوہ اور اشعار میں بھی ان کی تعریف کی ہے۔ دو اشعار پیش خدمت ہیں:

فرق تو بسایۂ ہما می ماند — لطف تو بہ چشمۂ بقا می ماند
جود تو بجود مرتضیٰ می ماند — خلق تو بخلق مصطفیٰ می ماند[۶۱]

شیخ زیادہ اولادِ نرینہ سے محروم رہے۔ ان کی صرف ایک ہی بیٹی تھی اور وہ بھی لاولد فوت ہوئی۔ انھوں نے محمد سعید اور میر خان شیخ کو اپنا متبنیٰ بنالیا تھا لیکن یہ دونوں شیخ موصوف کی حیات ہی میں ایک درباری سازش کا شکار ہوگئے[۶۲]

راقم الحروف کو گزشتہ پندرہ سال سے نواب مرتضیٰ خان کے مقبرہ کی تلاش تھی لیکن دہلی کا کوئی بڑا بوڑھا میری رہنمائی نہ کرسکا۔ میں جس سے بھی استفسار کرتا وہ یہی جواب دیتا کہ اب تمام پرانے قبرستان مسمار ہوچکے ہیں اور ان کی جگہ نئی نئی کالونیاں بن گئی ہیں۔ میں اس جانب سے بالکل مایوس ہوچکا تھا۔ حسن اتفاق سے بھارت کے گزشتہ دورہ میں ایک روز میں مدرسہ رحیمیہ ضیاء العلوم مہندیان (دہلی) میں مفتی ضیاء الحق صاحب کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں فرید آباد کے خطیب وہاں پہنچ گئے۔ مفتی صاحب نے ان کے

---

۶۰ ایضاً، ورق ۱۳۴ ب، ۱۳۵ الف

۶۱ ایضاً، ورق ۱۴۷ ب

۶۲ شاہنواز خاں، مآثر الامراء، ج ۲، ص ۱۴۱

ساتھ میرا تعارف کراتے ہوئے فرمایا، "انھیں بھی آپ کی طرح پرانے مقبرے اور مسجدیں دیکھنے کا بڑا شوق ہے" اس پر خطیب صاحب نے فرمایا کہ انھوں نے حال ہی میں شیخ زید کی قبر دیکھی ہے۔ ان کے منہ سے یہ بات سُن کر میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ میرے استفسار پر انھوں نے فرمایا کہ ان کی مسجد کے صحن میں ایک قبر ہے[۲۵] اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہی شیخ زید کی قبر ہے۔ اتفاق سے ہاشمی مطلبی فرید آبادی کے کوئی عزیز پاکستان سے زید آباد آئے تو انھوں نے ان سے اس کی تصدیق چاہی تو انھوں نے فرمایا کہ یہ شیخ زید کی قبر نہیں، ان کی قبر مالویہ نگر کے قریب ہے چنانچہ ایک روز خطیب صاحب پوچھتے پوچھتے وہاں پہنچ گئے۔

اگلے روز میں خطیب صاحب کی نشاندھی پر لال قلعہ سے ۵۰۳ نمبر بس میں سوار ہو کر کوئی سوا گھنٹہ میں مالویہ نگر پہنچا اور بیگم پور کے بس اسٹاپ پر اتر گیا۔ وہاں ایک چھوٹی سی جگہ ہے جو سرائے ڈی کہلاتی ہے۔ وہاں چوہدری دلیپ سنگھ کا ٹیوب ویل ہے۔ میں پوچھتے پوچھتے ٹیوب ویل پر پہنچ گیا۔ چوہدری تو وہاں موجود نہ تھا البتہ تین چار دیہاتی عورتیں وہاں موجود تھیں۔ میں نے ان سے نواب مرتضیٰ خاں فرید بخاری کی قبر کے بارے میں استفسار کیا تو وہ میرا منہ تکنے لگیں۔ میں نے مزار کا اتہ پتہ پوچھا لیکن وہ میری بات نہ سمجھ سکیں۔ تنگ آکر میں نے کہا کہ یہاں کسی مسلمان کی سمادھ ہے جس کے گرد لوہے کا جنگلہ لگا ہوا ہے۔ اس پر ایک معمر عورت نے سر ہلایا اور اشارے سے بتایا کہ وہ سمادھ اس کھنڈر کے عقب میں ہے۔ میں نے پاس کھڑے ہوئے ایک لڑکے سے کہا کہ اگر وہ مجھے وہاں لے جائے تو میں اُسے رقم دوں گا۔ اس نے راستے میں سانپ کی موجودگی کا بہانہ بنا کر

---

[۲۵] یہ قبر دراصل ہمارے فاضل دوست جناب خورشید فرید آبادی (علیگ) کے جد امجد محمد اعظم بانی پتی کی ہے۔